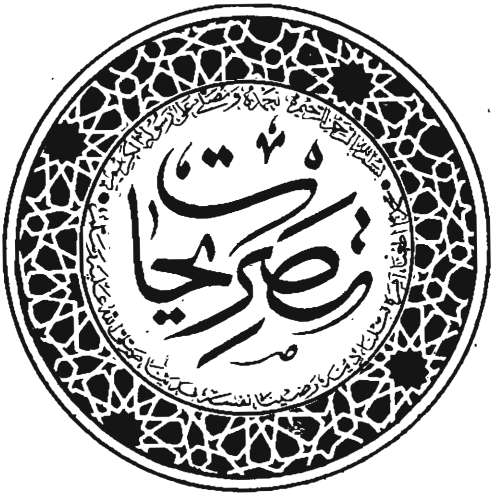

۱۲ مارچ کو صبح صبح ٹیلیفون موصول ہوا کہ آج دس بجے وزیرِ اعلیٰ سے ملاقات ہے اور شرکت بے حد ضروری ہے۔ تعجب حیرت اور تردد کے جذبات لیے اسمبلی چیمبرز پہنچا تو پچیس منٹ تاخیر ہو چکی تھی اور اسمبلی چیمبرز کے ایک بڑے کمرے میں وزیرِ اعلیٰ شہر کے مختلف مکاتب فکر کے علما سے مخاطب تھے۔ کوئی شبہ نہیں کہ ان کی تقریر بے حد شستہ اور مہذب تھی۔ ساتھ ہی ساتھ کچھ قرآنی آیات اور احادیث کے ٹکڑے بھی شامل بیان تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ ان کے اسلوب میں تندی اور لہجے میں تلخی آتی گئی کہ اس تندی اور تیزی میں کچھ علمائے اوقاف کی واہ واہ کا بھی عمل دخل تھا۔ اور پھر وزارت اعلیٰ کی کرسی بھی اپنی کرشمہ سازی میں کچھ کم نہیں۔ لیکن اس تندی اور تیزی کا یہ اثر ضرور ہوا کہ جس چیز پر پردہ ڈالنے کے لیے پنجاب کے سنئے وزیرِ اعلیٰ نے یہ محفل سجائی تھی وہ چیز اور بے نقاب اور نمایاں ہو گئی۔

حنیف رامے صاحب نے اثنائے گفتگو "علمائے کرام" کو خطاب کرتے کرتے یکایک انھیں "عزیزانِ گرامی" بناتے ہوئے بڑی نخوت اور غرور سے کہا کہ وہ کونسا اسلام ہے جس کے تم آوازے بلند کرتے ہو اور وہ کون سا نظام ہے جس کے نفاذ کے لیے تم لوگوں کو بھڑکاتے اور ورغلاتے ہو؟ ہم نے تو تیرہ سو برس میں اس اسلام کو کہیں نہیں دیکھا اور نہ ہی وہ نظام ہمیں کہیں نظر آیا ہے۔

" سوشلزم " کو برا کہنا اور بات ہے لیکن اس کے حقائق اور اس کی افادیت سے باخبری اور بات، مجھے افسوس ہے کہ آج کے علما رعصر حاضر کے تقاضوں سے بالکل بے بہرہ اور علوم جدیدہ سے بالکل بے خبر ہیں، آپ کو چاہیے کہ آپ عصر حاضر کے علوم و فنون میں دسترس حاصل کریں اور خالی نعروں کی بجائے عملی نتائج برآمد کرنے میں منہمک و مشغول ہوں، میں برادران عزیز آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ ہمیں تبلائیں کہ اسلامی نظام ہے کیا اور اس سے کیا نتائج برآمد ہوسکتے ہیں جب کہ سوشلزم ایک عملی نظام کی حیثیت سے دنیا میں موجود اور انسانیت کی فلاح و بہبود میں کارگر و کارفرما ہے ——— وغیرہ ذالک۔

اس کے علاوہ وزیر اعلیٰ بڑی دیر تک علمار کو اتحاد و اتفاق کا درس دیتے رہے اور انھیں اختلاف و افتراق کی برائیوں سے آگاہ کرتے ہوئے بار بار اپنے گریبانوں میں جھانکنے کے مشورے سے نوازتے رہے۔ آخر میں انہوں نے یہ بھی کہا کہ بدقسمتی سے علما نے حق گوئی ترک کردی ہے اور وہ بات کرنے سے پہلے لوگوں کی پیشانیوں کو دیکھتے ہیں اور تیوریوں پر نظر رکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ علما کو ہر حال میں کلمہ حق کا پشتیبان رہنا چاہیے۔ اور اس سلسلے میں کسی دنیوی مفاد اور مادی اغراض کو خاطر میں نہیں لانا چاہیے

میں اس وقت اس واقعہ کو نہیں دہرانا چاہتا کہ اس کے بعد علما نے اس پر کس ردعمل کا اظہار کیا اور میں نے اس پر کس تفصیل اور شرح و بسط کے ساتھ رامے صاحب کو ٹوکا اور روکا اور ان کی ایک ایک بات کی تردید کی اور ایک ایک بات کا جواب دیا۔ بہر حال وہ میری زندگی کا ایک ناقابل فراموش واقعہ ہے۔ کہ میرے رب نے مجھے یہ توفیق دی کہ صوبے کے حاکم اعلیٰ کو تمام علمائے کرام اور سرکاری آفیسران کی موجودگی میں خود انہی کے لہجے میں مخاطب کیا اور ان کی تغلیط کی۔ اگرچہ یہ افسوس ضرور رہے کہ میرے معزز اخبار نویس بھائیوں نے حکومت کی ایما پر نہ صرف یہ کہ ہماری جوابی تقاریر کیطرف اشارہ تک نہیں کیا بلکہ خود وزیر اعلیٰ کی تقریر کو بھی غلط انداز اور غلط رنگ میں عوام کے سامنے پیش کیا گیا۔

مگر میں اس موقع پر یہ کہنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ کیا پاکستان کے ایک بہت بڑے صوبے کی حکمرانی کیلیے ایسے شخص کا انتخاب کسی طور پر درست ہو سکتا ہے جو اسلام کے بارے میں اس قسم کے نظریات رکھتا ہو۔ اس اسلام کے بارے میں جو نہ صرف ہمارا مذہب و مسلک ہے بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ پاکستان کا وجود صرف اور صرف اسی کا رہین منت ہے۔ ہمیں آج کل

یہ بات سمجھ نہیں آسکی کہ اگر سوشلزم نے اس ملک کا مقدر بننا اور مقصد ٹھہرنا تھا تو ان لاتعداد قربانیوں کی ضرورت کیا تھی کہ جن کے خون سے گنگا اور جمنا اور راوی و چناب گلرنگ ہوئے پھر ہمیں قائداعظم کی قیادت میں برصغیر کے مسلمانوں کی وہ ساری جدوجہد بے کار اور بے سود نظر آتی ہے جو انہوں نے پاکستان کے حصول کیلیے کی، سوشلزم اور کمیونزم کا نفاذ تو پورے برصغیر میں بھی ہو سکتا تھا اس کے لیے الگ قومیت اور الگ خطۂ ارضی کی ضرورت نہ تھی ہمیں افسوس ہے کہ شروع دن سے ہی کچھ لوگ پاکستان کو ان مقصدوں سے الگ کرنا چاہتے ہیں جو پاکستان کے وجود کا باعث اور سبب ہیں اور یہ افسوس اس وقت اور زیادہ ہو جاتا ہے جب کہ حکمران گروہ کا ایک موثر طبقہ بھی ایسی خیالات کا حامل اور پرچارک بن جاتا ہے۔

غم بالائے غم کہ نظریۂ پاکستان سے اس دوری کے نتیجے میں ہم وطن عزیز کا نصف بڑا حصہ گنوا چکنے کے باوجود اس روش کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں جب کہ بقیہ پاکستان کو بھی لادینیت کے وہی بادل اپنے سائے میں لیے ہوئے ہیں جن کی تباہ کاریوں سے ہم پہلے دولخت ہو چکے ہیں

کیا یہ بے غیرتی اور بے عزتی کی بات نہیں ہے کہ کوئی سوشلسٹ تو اپنے ملک میں اسلام یا سرمایہ داری کا نام لینے کے لیے تو تیار نہیں اور نہ ہی کوئی سرمایہ دار اپنی مملکت میں سوشلزم اور اسلام کے لیے دل میں کوئی نرم گوشہ رکھتا ہے لیکن ایک مسلمان ایک مکمل آسمانی نظام کے ہوتے ہوئے بھی غیروں کی دریوزہ گری میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا۔

حیرانگی اس بات پر ہے کہ پھر یہی گروہ علما کو یہ طعنہ بھی دیتا ہے کہ علماء انھیں اسلامی نظام کے نتائج سے کیوں خبردار نہیں کرتے ؟

کون سے علماء ؟ کیا وہی علماء کہ جن کو علم کی سند بھی حکمران طبقہ عطا کرتا ہے ایسے ہی علماء جیسے کہ پاکستان کی سب سے بڑی اسلامی مشاورتی کونسل میں جمع کئے گئے ہیں ۔ ؟

ہاں ٹھیک ہے ان "علما" سے حق کی پشتیبانی کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ جنہیں مسند علم پر بھی خود حکومت ہی فائز کرے۔

رہی بات علمائے حق کی، تو علماء نے حق بات کہتے ہوئے کبھی باک محسوس نہیں کیا چاہے وہ کھر کا دور ہو یا حنیف رامے کا۔ ایوب خان کا دور ہو، یحییٰ خاں کا یا ذوالفقار علی بھٹو کا وہ حق کہتے ہوئے نہ کسی کی پیشانی کو دیکھتے ہیں اور نہ کسی کی کرسی کو اور خود حنیف رامے صاحب اس کے گواہ ہیں۔

علما کے بارے میں جس انداز اور اسلوب کا نئے وزیرِ اعلیٰ نے مظاہرہ کیا وہ بھی ان کے رجحانات کی نشان دہی کرتا ہے۔ محکمہ اوقاف کے ہوتے ہوئے بھی اور علما کو پابند سلاسل کرتے ہوئے بھی ان سے حق گوئی کی توقع ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے؟

باقی رہا علماء کا اتحاد و اتفاق تو اقتدار کے لیے ایک دوسرے سے دست و گریباں ہونے والوں، کیچڑ اچھالنے والوں اور جھوٹے مقدمات بنانے والوں کو اپنے چاک گریبانوں کو رفو کر لینا چاہیے کہ جن کے ذکر سے نہ صرف ملکی اخبارات بلکہ غیر ملکی رسائل و جرائد بھی بھرے پڑے ہیں!